مصحفِ عثمانی کے تاریخی نسخے

قسط ۳

ابُو محفوظ الکریم معصومی

مکّہ معظمہ کا نسخہ :

مکۂ معظمہ کے مصحف عثمانی کا قدیم تذکرہ ہمارے علم میں ابن جبیر کی "کتاب الرحلہ"[1] میں دو موقعوں پہ آتا ہے، پہلی بار "قبۂ زمزم" کے قریب "قبۃ الشراب" اور "قبۃ الیہودیہ"[2] کے تعارف میں یہ بیان ملتا ہے کہ دونوں قبے بیتُ اللہ کے جُملہ اوقاف کے مخزن تھے

---

[1] کتاب الرحلہ ص ۱۰۴ : ۱۶۰

[2] ابن جبیر سے پیشتر حرم شریف کا تفصیلی جائزہ جن لوگوں کے یہاں ملتا ہے ان کی تحریروں میں قبۃ الشراب (القبۃ العباسیہ اور قبۃ الیہودیہ کے نام نہیں ملتے، ناصر خسرو کے یہاں سقایۃ الحاج اور خزانۃ الزیت کا تذکرہ ملتا ہے. ناصر خسرو: سفرنامہ ص ۹۹ (تحقیق محمد دبیر سیاقی تہران) ابن جبیر نے سقایۃ الحاج کو قبۃ الشراب اور خزانۃ الزیت کو قبۃ الیہودیہ کا نام دیا ہے، ابن بطوطہ کے عہد تک یہی دونوں نام مشہور تھے، یاقوت کی معجم البلدان میں ان میں سے کسی ایک کا بھی اندراج نہیں ہے، اور قبۃ الیہودیہ کا ذکر سقایۃ العباس کے نام سے کیا ہے جو ناصر خسرو ابن جبیر اور ابن بطوطہ کی دی ہوئی تفصیلات کے خلاف ہے دیکھیے الجامع اللطیف ص ۲۱۵ (مصر ۱۹۳۸ء)

اور خاص طور پر "قبۃ الشراب" جس کو حضرت عباس کی نسبت سے "القبۃ العباسیہ" بھی کہتے تھے قرآن کریم کے نسخوں اور کتابوں کا مخزن تھا، یہیں ایک بڑے تابوت کے اندر بڑی تقطیع کا ایک قدیم مصحف خلفائے اربعہ میں سے کسی ایک کے زمانے کا محفوظ تھا جس کی کتابت حضرت زید بن ثابت نے نبی اکرمؐ کی وفات سے ۱۸ سال بعد (سنہ ۲۹ھ) میں کی تھی۔ اس کے بہت سے اوراق ضائع ہو چکے تھے اس کی دونوں دفتیاں لکڑی کی تھیں، ابن جبیر نے اس نسخے کو بڑی عقیدتمندی کے ساتھ دیکھا تھا، اور "قبہ عباسیہ" کے متولی سے ان کو معلوم ہوا تھا کہ قحط و گرانی کے زمانے میں اہل مکہ اس نسخہ شریفہ کو باہر نکالتے ہیں اور بیت اللہ کی چوکھٹ اور مقام ابراہیم[۱] کے درمیان رکھ کر دعا کرتے ہیں جس کا اثر بہت جلد نمایاں ہو جاتا ہے، ابن جبیر نے پھر خود ہی اس قسم کے ایک اجتماع کا نظارہ کیا، چنانچہ دوسرے موقع پر رقم طراز ہیں کہ ۲۲ شوال ۵۷۹ھ مطابق ۶ ماہ فروری (سنہ ۱۱۸۳ء) کو اہل مکہ کا اجتماع نماز استسقاء کے لیے ہوا۔ نماز سے پہلے قاضی مکہ نے خزانے سے مصحف عثمانی کو نکالا اور مقام ابراہیم کے آگے اس طور پر کھول کر رکھا کہ اس کی ایک دفتی مقام مطہر پر اور دوسری دفتی بیت اللہ کی چوکھٹ پر جا پڑی۔

یہ بیان پہلی یادداشت سے قدرے مختلف ہے، یہاں مصحف کی نسبت حضرت عثمانؓ کی طرف سے بصراحت کی گئی ہے، پہلی یادداشت میں بھی نسخے کی جو تاریخ[۲] غالباً متولی قصبہ عباسیہ سے سن کر لکھی گئی ہے وہ عہد عثمانی کو متعین کر دیتی ہے لیکن اس کے ساتھ ہی "مصحف احد الخلفاء الاربعۃ" کے

۱؎ ابن جبیر کے الفاظ سے واضح ہوتا ہے کہ وقتی طور پر مقام ابراہیم کو مقررہ جگہ سے باب الکعبہ کے قریب اٹھا لاتے تھے

۲؎ ابن جبیر کے الفاظ سے یہ پتا چلتا کہ سال کتابت مصحف کے اندر کہیں ثبت تھا یا قبۃ العباسیہ کے متولی کی زبانی معلوم ہوا تھا، عہد عثمانی یا اس کے بعد کچھ مدت تک ہمارا خیال ہے کہ قرآنی نسخوں کے اول یا آخر میں کوئی ایسی تحریر لکھی نہیں جاتی تھی لیکن عہد اموی کے اواخر تک اس قسم کی تحریر کا رواج ہو چکا تھا، ابو عمرو الدانی (م ۴۴۴ھ) کی نظر سے ایک ایسا مصحف گذرا تھا جس کی کتابت ہشام بن عبد الملک کے اوائل خلافت میں مغیرۃ بن مینا نے کی تھی، نسخہ کے آخر میں بطور ترقیمہ یہ الفاظ تھے: "کتبہ مغیرۃ بن مینا فی رجب سنۃ مائۃ وعشر"، دیکھئے المحکم فی نقط المصاحف صفحہ ۸۷ دمشق ۱۹۶۰ء)

الفاظ بہت عجیب ہیں ؛ بہر حال یہ ساری باتیں عام شہرت کی بنا پر بیان کی گئی ہیں، تاہم نسخے کی قدامت میں خود ابن جبیر کو شک نہیں تھا جیسا کہ ان کی پیش کردہ تفصیلات سے معلوم ہوتا ہے۔

ابن جبیر کے بعد ابوالقاسم تجیبی کی شہادت ہے کہ سنہ ۶۵۷ ہجری میں انھوں نے "قبۃ الیہودیہ" جس کو "قبۃ الشراب" بھی کہتے تھے[۱] اس کی زیارت کی تھی، پھر ۷۳۵ھ میں ابن مرزوق نے[۲] اس نسخہ شریفہ کو دیکھا تھا اور مشہور سیاح ابن بطوطہ بھی اس کا ذکر تفصیل[۳] کے ساتھ کرتا ہے۔ ابن بطوطہ کا بیان تقریباً لفظ بہ لفظ ابن جبیر سے ماخوذ معلوم ہوتا ہے البتہ اس کی عبارت میں نہ صرف حضرت عثمانؓ کا نام آتا ہے اور نہ "احد الخلفاء الاربعۃ" کے الفاظ ملتے ہیں، غالباً یہی نسخہ علامہ سمہودی (م سنہ ۹۱۱ھ) کے بعد تک مکہ معظمہ میں موجود تھا[۴]

مسجد نبوی کا نسخہ :

مدینہ منورہ کے قدیم مؤرخین کی جو یادداشتیں مسجد نبوی کے مصاحف کے بارے میں علامہ سمہودی کے سامنے تھیں، ان میں حضرت عثمانؓ کے مصاحف میں سے کسی نسخے کا تذکرہ نہیں تھا اندلسی سیاح ابن جبیر ہی کو یہ اوّلیت حاصل تھی کہ سنہ ۵۸۰ھ میں زیارت مدینہ سے مشرف ہو کر

---

[۱] نفح الطیب ص ۲۸۲ قبۃ التراب (بالتاء المثناۃ الفوقانیۃ) تصحیف مطبعی ہے، یہ بھی ملحوظ رہے کہ تجیبی نے قبۃ الشراب اور قبۃ الیہودیہ کو ایک قرار دیا ہے، اس لئے کہ دونوں متصل تھے اور اوقاف حرم کے مخزن کا کام دیتے تھے ورنہ صحیح یہ ہے کہ قبۃ الیہودیہ کے بجائے قبۃ العباسیہ اور قبۃ الشراب کو ایک قرار دینا تھا۔

[۲] نفح الطیب (۱ : ۲۸۳)

[۳] تحفۃ النظار (۱ : ۸۴) اس نسخے کی زیارت ابن بطوطہ نے غالباً ۷۲۷ ہجری میں کی ہوگی [۴] وفاء الوفا (۱ : ۴۸۲)

جو روداد انھوں نے قلمبند کی اس میں حجرۂ مبارکہ اور مقام النبی کے درمیان مصحف عثمانی کی جگہ معین کر کے بتائی ہے[1] اور اس بات کی صراحت کی ہے کہ یہ نسخہ ان مصاحف میں سے ایک ہے جو حضرت عثمان رضؓ کے زمانے میں مدینہ سے باہر بھیجے گئے تھے مشہور مؤرخ ابن النجار[2] بغدادی (م ۶۴۳ھ) کی تاریخ مدینہ میں موقع و محل کے اعتبار سے گویا اسی مصحف کا ذکر ملتا ہے لیکن ابن النجار نے اس کو عہد عثمانی سے منسوب نہیں کیا ابن النجار کے ذریعہ یہ نئی اطلاع ملتی ہے کہ قرآن کریم کا یہ نسخہ مسجد نبوی کے لیے مصر سے بھیجا گیا تھا،

ابن جبیر کے بعد خطیب ابن مرزوق[3] نے اس نسخے کو مصحف عثمانی قرار دیا ہے، انھوں نے سنہ ۷۳۵ھ میں اسے دیکھا تھا، سرورق پر بہ قول خطیب مذکور عہد عثمانی کے مرتبین و کاتبین مصحف کے نام ان الفاظ میں درج تھے:

هذا ما اجمع عليه جماعة من اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم منهم زيد بن ثابت وعبد الله بن الزبير وسعيد بن العاصي

اور یہ تحریر بھی ثبت تھی: "قال النخعي لعله الكوفي او البصري" کاتبین مصحف کے نام یقیناً بعد میں کسی نے لکھے ہوں گے اس لیے کہ عہد صحابہ میں بین الدفتین اس قسم کی تحریروں کے لیے کوئی گنجائش نکل نہیں سکتی تھی اس تحریر سے نسخے کی تحقیق کا داعیہ پیدا ہوا ہوگا۔

خطیب ابن مرزوق کے ایک معاصر[4] محمد بن احمد المطری (م سنہ ۷۴۱ھ) نے اپنی تاریخ مدینہ میں اس کا ذکر مصحف عثمانی کی حیثیت سے کیا ہے، سمہودی کے عہد تک عام طور پر مشہور تھا کہ یہی نسخہ حضرت عثمان رضؓ کا مصحف خاص ہے، اس کا ثبوت اسی قدر تھا کہ یہ آیت "فسيكفيكهم الله" پر خون کے نشانات تھے، علامہ سمہودی[5] (م ۹۱۱ھ) اس کو مصحف خاص قرار نہیں دیتے

---

[1] کتاب الرحلہ ص ۱۹۳، وفاء الوفا (۱: ۴۸۲)

[2] وفاء الوفاء (۱: ۴۸۲)

[3] نفح الطیب (۱: ۲۸۳)

[4] وفاء الوفا (۱: ۴۸۲

[5] ایضاً (۱: ۴۸۲-۴۸۳)

کہ اس خصوصیت کے حامل مکہ معظمہ اور قاہرہ میں بھی قرآن پاک کے دو قدیم نسخے ان کی نظر سے گذرے تھے ان کی رائے میں مصحف خاص سے مشابہت پیدا کرنے کے لئے بعد میں ان نسخوں کے اندر آیت مذکورہ " خلوق " کے ذریعہ رنگ دی گئی ہو گی، ان مصاحف کے بارے میں وہ زیادہ سے زیادہ یہ تسلیم کرنے کو آمادہ نظر آتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کے ارسال کردہ ہونگے ان نسخوں کے علاوہ مزید تین نسخے ہمارے علم میں عہد عثمانی سے منسوب تھے ان کا تذکرہ مختصر طور پر ذیل میں کیا جاتا ہے:

سنہ ۶۵۳ ہجری میں خلیفہ معتصم باللہ (م ۶۵۶ھ) کی ایک بیگم کے حکم سے مدرسہ بشیریہ [1] کی عمارت تکمیل کو پہنچی اور اس کا افتتاح خود خلیفہ نے شہزادوں اور اعیان دولت کے جلو میں کیا تھا، خلیفہ کی طرف سے نادر و نایاب نسخے ۳۶ صندوقوں میں بھر کر اس مدرسے کے کتب خانے کے لئے عطا ہوئے، ان میں ابن مقلہ اور ابن البواب کے نوشتہ دفاتر اور قرآن کریم کے دو نادر نسخے بھی تھے، ایک نسخے کی یہ خصوصیت بتائی گئی ہے کہ خود حضرت عثمان رضؓ کے دست مبارک کا نوشتہ تھا۔

رمضان سنہ ۶۶۱ ہجری میں الملک الظاہر بیبرس [2] نے ملک برکہ خان تاتاری، فرمانروائے قبچاق کو ھدایا و تحائف بھیجے تھے، ان کی فہرست [3] میں ابن واصل مصنف "مفرج الکروب فی اخبار بنی ایوب" نے ایک مصحف کا تذکرہ کیا ہے جو حضرت عثمانؓ کا نوشتہ تھا

آٹھویں صدی کے سیاح ابن بطوطہ (م سنہ ۷۷۹ھ) نے بصرہ کی سیاحت میں مسجد امیر المومنین علیؓ کا ذکر کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ اس خزانے میں حضرت عثمان رضؓ کا مصحف خاص موجود تھا جس کے اوراق خون آلودہ تھے۔

---

[1] تحفۃ الاصحاب ورق ۳۰۸ ظ (مخطوطہ مجمع اسیاوی کلکتہ رقم: ۴۸۹ عربی) یہ عبارت ذھبی کی تاریخ اسلام سے ماخوذ ہے۔

[2] سخاوی: السلوک فی معرفۃ دول الملوک قسم ثانی (۱: ۴۹۷) تحقیق: مصطفی زیادہ طبع قاہرہ سنہ ۱۹۳۶ء [3] تحفۃ النظار (۱: ۱۱۶) طبع مصر

اس عہد کے محققین میں سے استاذ طاہر الکردی نے حجاز و مصر کے کتب خانوں میں مصحف عثمانی کی جستجو کی تھی لیکن ان کو کامیابی نہیں ہوئی، مصحف مدینہ جس کا وجود دسویں صدی کے اوائل تک بہ شہادت سمہودی ثابت ہوتی ہے اس کے بارے میں بھی طاہر الکردی نے تحقیق کرنی چاہی مگر ان کو اس سے زیادہ معلوم نہ ہو سکا کہ سنہ ۱۳۳۴ھ میں جب ترک حرمین سے بے دخل ہوئے تو غالباً یہ نسخہ استنبول کو منتقل ہو گیا [1]

علامہ کرد علی نے جامع ایا صوفیا استنبول [2] کے ایک مصحف کی بابت اپنے دوست شیخ مسعود الکواکبی کا بیان نقل کیا ہے کہ اس کے سرورق پر "کتبہ عثمان بن عفان" کے الفاظ مکتوب تھے اور اس کی زیارت کا موقعہ ان کو کئی بار ملا تھا، لیکن استنبول کے علمی نوادر و مخطوطات کی نمائش جو ستمبر ۱۹۵۱ء میں مؤتمر مستشرقین کے انعقاد کے موقع پر ہوئی تھی اس کی جس قدر تفصیلات [3] ہماری نظر سے گزری ہیں ان میں کسی ایسے مصحف کا تذکرہ نہیں ملتا جو خاص طور پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد سے منسوب کیا گیا ہو۔

استاذ طاہر الکردی نے مصحف مدینہ کے سلسلے میں مصری ہفتہ وار [4] "الدنیا و کل شیٔ" کے حوالہ سے یہ اطلاع نقل کی ہے کہ یہ مصحف ترکوں کے ذریعہ جرمن شہنشاہ غلیوم ثانی کو ملا تھا، اس کی واپسی کے لئے حکومت المانیہ ایک معاہدے کے تحت آمادہ تھی اور چھ ماہ کے اندر حکومت حجاز کو لوٹا دینے کا ارادہ رکھتی تھی، کردی نے اس خبر کو غیر مصدقہ قرار دیا ہے۔

ایک مصری فاضل شیخ عبد العظیم زرقانی [5] کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید کے کئی قدیم نسخے مصری دار الآثار اور کتب خانوں کی زینت ہیں اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے منسوب کئے جاتے ہیں، زرقانی ان نسخوں کا انتساب عہد عثمانی سے صحیح نہیں سمجھتے، اس لئے

---

[1] تاریخ القرآن وغرائب رسمہ ص ۱۱۱-۱۱۲ مصر سنہ ۱۹۵۳

[2] کرد علی: خطط الشام (۷: ۱۸۹)

[3] رسالہ "معارف" (اعظم گڑھ) (۶۹: ۲۱۶-۲۲۸)(۷۰: ۱۶۵-۱۸۴)

[4] مورخہ ۲۸ جمادی الثانیہ سنہ ۱۳۵۷ مطابق ۲۴ اگست سنہ ۱۹۳۸ء [5] مناہل العرفان (۱: ۳۹۸)

کہ یہ تمام نسخے نقش و نگار اور زرکشی کے کام سے آراستہ ہیں، البتہ مسجد حسینی کے ایک قدیم مصحف سے انھوں نے بحث کرنے کی ضرورت سمجھی کہ بعض خطی شواہد کی بنا پر یہ نسخہ، مصحف مدنی اور مصحف شامی سے مطابقت رکھتا ہے، ان کا اندازہ ہے کہ یہ نسخہ، اُن دو عثمانی نسخوں میں سے کسی ایک کی نقل ہو سکتا ہے۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے کسی زمانے میں دار المصنفین اعظم گڑھ کو یہ اطلاع دی تھی کہ مصحف عثمانی کا عکس زار روس نے شائع کیا تھا، اسی سلسلے میں چند ماہ پیشتر ان کا ایک مکتوب[1] "معارف" اعظم گڑھ میں شائع ہوا جس میں ڈرہم یونیورسٹی کے نسخے کی نشاندہی کی گئی ہے۔

ایک روسی عکس کا تعارف قاضی اطہر مبارک پوری کے مضمون[2] سے حاصل ہوتا ہے۔ یہ صرف سورۂ "یٰسین" کا عکس ہے جس کی اشاعت فوٹو بلاک کے ذریعہ سنہ ۱۹۰۵ء میں ایک روسی عالم عبد اللہ الیاس بورغانی قرمی نے کی تھی، ان کی نظر سے یہ مصحف پیٹرس برگ کے شاہی کتب خانے میں سنہ ۱۸۸۹ء میں گذرا تھا، دوبارہ سنہ ۱۹۰۵ء میں انھوں نے سورۂ "یٰسین" کا فوٹو لیا، اور اس کی اشاعت بڑے اہتمام سے کی۔ اصل نسخہ بہ قول بورغانی خط کوفی میں چمڑے پر لکھا ہوا ہے اور اس کے صفحات کو کنارے کی طرف ٹیڑھا کر کے دیکھا جائے تو حروف شیشے کی طرح چمکتے ہوئے نظر آتے ہیں نیز آیت شریفہ "فسیکفیکہم اللہ" پر خون کے دھبے موجود ہیں، مضمون نگار نے جملہ تفصیلات کے بعد لکھا ہے ہو سکتا ہے کہ یہ مکمل نسخہ بعد میں ڈرہم یونیورسٹی میں منتقل ہو گیا ہو لیکن اگر یہ مکمل نسخہ روس میں ہوتا تو کمیونسٹ حکومت ضرور اس کا پروپیگنڈا کرتی۔

مگر واقعہ یہ ہے کہ مملکت روس کے قبضے میں اس مصحف کا وجود ۱۹۵۹ء تک روسی اطلاعات[3] کے ذریعہ ثابت ہوتا ہے اور اس کی تاریخ کے بارے میں بعض ایسی تفصیلات

---

[1] رسالۂ "معارف" (اعظم گڑھ) (۸۶: ۴۴۹-۴۵۰) [2] ایضاً جنوری سنہ ۱۹۶۱ء

[3] رسالہ "سوویٹ دیس" (۲:۶) بابت جنوری، ۱۹۵۹ء

ملتی ہیں جن کا ذکر شیخ عبداللہ یورغانی قریمی کی تحریر میں نہیں ہے، رُوسی اطلاعات کا خلاصہ یہ ہے کہ مصحفِ عثمانی تیمور کے کتب خانے میں تھا جو ۱۳۹۳ء میں دارالامارۃ سمرقند میں قائم کیا گیا تھا، پھر معلوم نہیں کن حالات کے تحت کتب خانے سے نکل کر سمرقند کی مسجد خواجہ احرار میں آگیا اور صدیوں تک اس مسجد میں ایک مرمریں ستون سے زنجیروں کے ذریعہ معلق رہا۔ ۱۸۶۸ء میں رُوسی شہنشاہیت بخارا پر قابض ہوئی، اور غالباً رُوسی استیلاء کے بعد ہی ترکستان کے رُوسی گورنر جنرل (وان کاف مان) نے اس کو سو رُوبل میں خرید کیا اور پیٹرس برگ کے شاہی کتب خانے کو بطور تحفہ دے دیا۔

۱۹۱۷ء میں رُوسی انقلاب کے بعد انقلابی دستے کے مُسلمان سپاہیوں نے اس کو اپنے قبضے میں کر لینا چاہا مگر عارضی حکومت کی فوج نے ان کو اس سے باز رکھا، بالآخر پیٹروگراڈ صُوبائی مسلم کانگرس نے اس کی واپسی کا مطالبہ کیا اور مجلس وزراء کے حکم نامہ مورخہ ۹ دسمبر ۱۹۱۷ء کے مطابق یہ تاریخی مصحف رُوسی پارلیمان کے مُسلم نمایندوں کے جلسہ میں اوفا پہنچا پھر اسے تاشقند لایا گیا جو اس وقت ازبکستانی جمہوریہ کا پایۂ تخت ہے، رُوسی نشریہ میں خون کے نشانات کا ذکر کیا گیا ہے اور اس بات کی صراحت کی گئی ہے کہ رُوسی مستشرقین نے اس کی قدامت تسلیم کی ہے۔

اِن اطلاعات کی روشنی میں یقین کرنا پڑتا ہے کہ رُوسی نسخہ ڈرھم یونیورسٹی کو منتقل نہیں ہُوا اور دونوں نسخے جُداگانہ ہیں۔

○

• شاہد تسنیم، ایم اے

استحکام پاکستان اور مرزائیل

○

قادیانیت کی تاریخ پر اجمالی نظر ڈالنے سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ اس تحریک کی بنیاد برطانوی سامراج کی حاشیہ برداری اور برصغیر میں اسلامی اقتدار کے خاتمہ کے لئے ڈالی گئی تھی برطانوی نو آبادیت پسندوں نے ظلی نبوت کے نام پر اُٹھنے والی اس مذہبی تحریک کی پوری پوری پشت پناہی کی اور اسے اپنے سیاسی مقاصد کے لئے استعمال کیا، مرزا غلام احمد قادیانی کی کتب، تقاریر، مکتوبات اور ملفوظات کو پڑھیں جگہ جگہ برطانوی سامراج کی ذلیل خوشامد اور ان کی اطاعت کا درس ملتا ہے۔ ۱۹۰۸ء تک آپ نے اس مشن کی بطور احسن تکمیل کی اس کے بعد مولوی نورالدین بھیروی یہ خدمت بجالاتے رہے۔

۱۹۱۴ء میں حکیم نورالدین کے مرنے کے بعد قادیانی تحریک دو گروہوں میں بٹ گئی۔ قادیان کی گدی مرزا بشیرالدین محمود نے سنبھالی اور لاہور میں خواجہ کمال الدین گروپ کے قادیانی اپنا کھڑاگ رچانے لگے، مرزا محمود نے حکیم نورالدین کے عہد خلافت (۱۹۰۸ – ۱۹۱۴) ہی سے برطانوی سامراج کی خدمت کا بیڑا اٹھالیا تھا، تحریک پاکستان کے مشہور واقعے یعنی کان پور میں مسجد کی شہادت کے معاملے میں آپ نے کھلم کھلا برطانوی سامراج کی طرف داری کی [1] اور بلاواسطہ طور پر مستقبل کی خلافت کے لئے سرکار انگلشیہ کی چشم عنایت کے طلبگار ٹھہرے۔

---

[1] دیکھئے تاریخ احمدیت جلد پنجم